OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

سیرتِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق: ایک تجزیاتی مطالعہ

Rights of Non-Muslim Minorities in the Prophetic Seerah and the Rashidun Caliphate: An Analytical Study

Hafiz Muhammad Abid

MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Quetta

Email: *hafizmuhammadabid79@gmail.com*

Dr. Syed Muhammad Haroon Agha

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Quetta

Email: *aghaharoon00@gmail.com*

Abstract

This chapter discusses the rights of non-Muslim minorities in the light of the Seerah of Prophet Muhammad (peace be upon him) and the Rashidun Caliphate. It explains that Islam established a system based on justice, tolerance, and equality, in which non-Muslims were granted protection of life, property, religion, and social dignity. The Prophet Muhammad (peace be upon him) allowed non-Muslims to practice their religion freely and protected their places of worship and personal laws. He also showed kindness and respect toward them through good social relations and fair treatment. The Qur'anic principle, "There is no compulsion in religion," remained the basis of this policy.

The Rightly Guided Caliphs continued the same approach. Hazrat Abu Bakr (RA), Hazrat Umar (RA), Hazrat Uthman (RA), and

CC BY

Hazrat Ali (RA) ensured justice and security for non-Muslim citizens. Their religious freedom was protected, unfair taxes were not imposed upon them, and poor and weak non-Muslims were supported through Bayt al-Mal. The chapter concludes that the Seerah and the Rashidun Caliphate provide a practical model of peaceful coexistence, justice, and protection of minority rights in an Islamic state.

Keywords: Non-Muslim Minorities, Seerah, Rashidun Caliphate, Religious Freedom, Justice, Equality, Islamic State, Bayt al-Mal

تعارف

اسلامی ریاست کے نظامِ فکر میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو ایک بنیادی اور مستقل حیثیت حاصل ہے۔ اسلام نے ایسے معاشرے کی تشکیل کا تصور پیش کیا ہے جس میں مذہب، نسل اور قومیت کی بنیاد پر کسی فرد یا گروہ کے ساتھ ناانصافی نہ ہو بلکہ ہر شہری کو جان، مال، عزت، مذہب اور معاشرتی وقار کا مکمل تحفظ حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ عدل، حسنِ سلوک، رواداری، مذہبی آزادی اور معاہدات کی پابندی کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے میں سب سے کامل اور عملی نمونہ فراہم کرتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے معاشرے میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جہاں مختلف مذاہب، قبائل اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا جس میں مذہبی جبر کی بجائے آزادی، نفرت کی بجائے رواداری اور امتیاز کی بجائے مساوات کو فروغ دیا گیا۔ غیر مسلم شہریوں کو ان کے مذہب، عبادات، شخصی قوانین اور سماجی معاملات میں آزادی دی گئی اور ان کی جان و مال کے تحفظ کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔

اسلامی تعلیمات کا یہ بھی بنیادی اصول ہے کہ کسی شخص کو اس کے مذہب سے زبردستی نہ ہٹایا جائے۔ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں "لَا اِکْرَاهَ فِي الدِّينِ" کا اعلان کیا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عملی اسوہ سے اس اصول کو نافذ فرمایا۔ غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کے مذہبی جذبات کا احترام، ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت، ان کے علماء و مذہبی پیشواؤں کے حقوق کی پاسداری اور ان کے ساتھ کیے گئے معاہدات کی مکمل پابندی، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمایاں وصف تھا۔

بعد ازاں خلافتِ راشدہ کے دور میں انہی اصولوں کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ حکمرانی کو اپناتے ہوئے غیر مسلم شہریوں کے حقوق کو

محفوظ بنایا۔ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی گئی، ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی شعائر کو تحفظ دیا گیا، اور انہیں معاشی، سماجی اور قانونی حقوق فراہم کیے گئے۔جزیہ اور دیگر مالی معاملات میں بھی عدل و رعایت کو پیشِ نظر رکھا گیا، یہاں تک کہ بوڑھے، نادار، بیمار اور معذور غیر مسلموں کی کفالت بیت المال سے کی جاتی تھی۔

اس باب میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کی روشنی میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا جائزہ لیا جائے گا۔بالخصوص مذہبی آزادی، سماجی تعلقات، معاشی حقوق، قانونی تحفظ، معاہدات کی پابندی، عدل و مساوات، اور خلفائے راشدین کے عملی نمونوں کو زیرِ بحث لایا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق محض نظریاتی دعوے نہیں بلکہ ایک منظم، عادلانہ اور عملی نظام کا حصہ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ حکمرانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوبِ حکمرانی عدل، رواداری، مشاورت اور معاہدات کی پابندی پر مبنی تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی ریاست قائم کی جو مختلف مذاہب اور قبائل پر مشتمل تھی۔اس معاشرے میں مسلمان، یہود اور دیگر قبائل آباد تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ایک منظم سیاسی نظام کے تحت جمع کیا اور کسی کو اس کے مذہب یا نسل کی بنیاد پر محروم نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی کی بنیادی خصوصیت عدل و مساوات تھی۔قرآن مجید میں عدل کا حکم دیا گیا

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی شکل دی۔

مشاورت اور اجتماعی فیصلہ سازی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوبِ حکمرانی میں مشاورت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[2]

اور صحابہؓ کے ساتھ مشورہ کرنے کی تاکید بھی فرمائی گئی:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ[3]

یہ طرزِ حکمرانی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست شخصی آمریت پر نہیں بلکہ اجتماعی ذمہ داری اور شوریٰ کے اصول پر قائم تھی۔

مذہبی آزادی کے عملی مظاہر

مذہبی آزادی کے عملی مظاہر بھی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نمایاں ہیں۔اہلِ نجران کا وفد مدینہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت دی۔یہ واقعہ اس بات

کی واضح دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو عبادت گاہوں اور مذہبی شعائر کی ادائیگی کی مکمل آزادی حاصل تھی۔

معاہدات کی پاسداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدات کی پاسداری میں بھی بے مثال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور دیگر قبائل سے جو معاہدات کیے، ان کی مکمل پابندی فرمائی، جب تک کہ دوسرا فریق عہد شکنی کا مرتکب نہ ہوا۔ قرآن میں "اوفوا بالعقود" کا حکم اسی اصول کو مضبوط کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی تھی اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق محض وقتی رعایت نہیں بلکہ آئینی ضمانت کے تحت محفوظ تھے۔

ریاستِ مدینہ میں غیر مسلموں کو معاشی اور سماجی حقوق بھی حاصل تھے۔ انہیں تجارت، زراعت اور دیگر معاشی سرگرمیوں کی آزادی تھی۔ ان کے معاملات ان کے اپنے مذہبی قوانین کے مطابق طے کیے جاتے تھے، جبکہ ریاست عمومی امن و انصاف کی ذمہ دار تھی۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ حکمرانی کثیر المذہبی معاشرے کے لیے ایک عملی نمونہ ثابت ہوا۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق میں مذہبی آزادی کا حق بڑی اہم اور معرکۃ الآراء بہت ہے۔ مغرب کے متعصب مفکرین و مستشرقین جن مسائل میں اسلام کو مطعون اور ہدف تنقید بناتے ہیں، ان میں ایک مسئلہ اسلامی ریاست کے اندر ذمیوں کی مذہبی آزادی کا بھی ہے۔

چنانچہ اس حوالے سے علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے: یورپ میں جس گروہ نے اسلام کو نکتہ چینیوں کا ہدف بنا رکھا ہے، ان کی حوصلہ آزمائی کا بڑا جولانگاہ یہی ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی بالکل نہیں ہے اور قدیم اسلامی حکومتوں نے غیر قوموں کے مذہبی حقوق بالکل پامال کر دیے تھے۔ لیکن ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے تمام دنیا کی قوموں کو جس حد تک مذہبی آزادی دی کبھی کسی قوم نے نہیں دی، نہ اب دینے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ یورپ دو سو برس پہلے تو مذہبی آزادی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ آج بے شبہ اس کو یہ دعویٰ ہے مگر کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس کو خود مذہب کی پروا نہیں رہی۔ بے شبہ یورپ گرجا اور مسجد کے جھگڑے میں انصاف کا پلہ برابر رکھتا ہے۔ لیکن اگر ایک سڑک اور مسجد کا معاملہ پیش آجائے تو مسجد بے تکلف برباد کر دی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس فیاضی پر ناز ہے وہ مذہبی آزادی کا نہیں بلکہ مذہنی بے پروائی کا اثر ہے۔

مذاہب کی تاریخ میں اسلام کے خلاف اہل یورپ کا مذکورہ دعویٰ محض تعصب پر مبنی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی حکومتوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کو جس حد تک مذہبی آزادی عطا کی کسی قوم و مذہب نے نہیں دی۔ آج کا لبرل ذہن اور مذہب دشمن عناصر کی براجمانی کے سبب مذہب کے تحفظ کو بنیادی حقوق (Fundamental Rights) میں شامل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ آزادی اظہار رائے (The freedom of press)

کے نام پر مذہب کا خون کرنے اور اس کا جنازہ نکالنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، لیکن اہل اسلام کو جس طرح ہر چیز سے زیادہ اپنے مذہب کا تحفظ عزیز ہے اسی طرح وہ اپنی ریاست میں آباد غیر مسلم شہریوں سے ہمدردی کے طور پر ان کے مذہب کا تحفظ بھی اپنا شرعی اور اخلاقی فرض سمجھتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں / اہل الذمہ کی مذہبی آزادی کے حوالے سے اسلام کا مستقل قاعدہ یہ ہے کہ " نترکھم و مایدینون " (ہم انہیں اور وہ جو بھی دین و مذہب رکھتے ہیں، اسے چھوڑ دیں گے)یعنی ان کے مذہبی عقائد و افکار کے معاملے میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اصولی طور پر عقد ذمہ میں یہ بات داخل ہے اور اسلامی ریاست نے اس بات کو تسلیم کیا اور اس کی ضمانت دی ہے کہ غیر مسلم جزیہ کی ادائیگی اور انتظامی معاملات میں اسلامی قوانین کی پابندی کے عہد کے بدلے اپنے کفریہ عقائد اور اپنے دین و مذہب پر قائم رہیں گے۔ عقد ذمہ کے ذریعے اسلام نے انہیں اپنے عقیدہ و مذہب پر قائم رہنے کی کیوں اجازت دی؟ اس کے اندر شرعاً کیا مصلحت ہے ؟ اسلام نے مذہبی آزادی کا یہاں تک خیال رکھا ہے کہ غیر مسلموں کی مذہبی دل آزاری سے بھی منع کر دیا گیا ہے[4]۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدُوا بِغَيْرِ علم [5]

یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں، انہیں گالیاں نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عداوت میں بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ جس طرح کبھی مذہبی بحث مباحثے کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ان کے مذہبی جذبات مجروح کرنے سے منع کیا گیا۔

ارشاد ہوا:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [6]

اور اہل کتاب سے بحث نہ کر دو مگر احسن (مہذب) طریقہ ہے۔

اس سے اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی کے تصور نہایت واضح ہے اور اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ اسلام نے اہلِ ذمہ کو اپنے دین و عقائد پر قائم رہنے کی مکمل اجازت دی ہے۔اس میں علامہ شبلی نعمانی کے اقتباس کے ذریعے مغربی مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اسلام میں مذہبی آزادی نہیں، جبکہ تاریخی شواہد اس کے برعکس اسلام کی وسعتِ نظری اور رواداری کو ظاہر کرتے ہیں۔

اس تحریر سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اسلامی تعلیمات نہ صرف مذہبی آزادی دیتی ہیں بلکہ دوسروں کے مذہبی جذبات کے احترام کا بھی حکم دیتی ہیں۔"نترکھم وما یدینون" کے اصول کے تحت غیر مسلموں کے عقائد میں مداخلت نہیں کی جاتی، جو اسلامی ریاست کے معاہدۂ ذمہ کا بنیادی حصہ ہے۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں / ذمیوں کو اسلام نے کس قدر مذہبی آزادی دی ہے۔ اسکا اندازہ عہد نبوی کے درج ذیل چند نظائر یا معاہدوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

شاہان حمیر کو مذہبی آزادی کی یقین دہانی

شاہان حمیر (یمن) الحارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور النعمان کی طرف سے ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف ایک طویل مکتوب ارسال فرمایا جس میں انہیں اسلام کے بنیادی ارکان اور احکام و فرائض سے مطلع کیا گیا۔ اس میں مذہبی آزادی کے حوالے سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحریر فرمایا:

"وانه من اسلم من يهودى او نصرانى فانه من المؤمنين له ما لهم و عليه ما عليهم ومن كان على يهوديته او نصرانيته فأنه لا يرد عنهاو علىه الجزىة فان له ذمة الله وذمة رسوله"

بے شک جو یہودی یا نصرانی اسلام قبول کر لے تو بلاشبہ وہ مؤمنین میں سے ہے۔ اسکے لیے وہی حقوق و مراعات ہیں جو تمام مؤمنوں کے لیے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو دوسرے مؤمنوں پر عائد ہیں اور جو آدمی اپنی یہودیت (یہودی مذہب) یا اپنی نصرانیت (نصرانی مذہب) پر قائم رہنا چاہے تو اسے جبر کے ذریعے اپنے مذہب سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ البتہ اس پر (اس کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے) جزیہ عائد ہو گا بے شک اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے۔

نجران کے عیسائیوں کے لیے مذہبی آزادی کی تحریر

یہود مدینہ سے مذکورہ معاہدہ (میثاق مدینہ) اس وقت ہوا جب مسلمان سیاسی اعتبار سے کمزور تھے مگر نجران کے عیسائیوں سے جو زیر نظر معاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار تھا اور فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسے ہی مواقع پر ظلم کا دروازہ کھلتا ہے۔ طاقتور کمزور کو صرف اپنا باجگزار ہی نہیں بناتا بلکہ ہر طرح سے اس کا استحصال اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کے ذریعے اہل نجران کو جو حقوق دیے اور جس نرمی و رعایت کا مظاہرہ کیا، اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بہر کیف زیر بحث موضوع کے حوالے سے عہد نبوی میں اہل الذمہ کو حاصل مذہبی آزادی کا ایک ثبوت نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی معاہدہ ہے۔ جسے الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ اس معاہدہ میں عیسائیوں کو دی گئی مذہبی آزادی کی دفعات کے اندراج سے قبل زیر بحث موضوع کے حوالے سے مذہبی رواداری کا یہ ایمان افروز واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ نجران کے بڑے بڑے عیسائی راہبوں مشتمل وفد جو بڑی ٹھاٹھ باٹھ سے نو ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے آیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں اتارا۔ کچھ دیر بعد ان کی نماز عصر کا وقت ہوا تو وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ موجود صحابہ کرام نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعوھم (انہیں چھوڑ دو۔ یعنی نماز پڑھنے دو) چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کیا اور اپنے طریقے کے مطابق نماز ادا کی۔

بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو جو تحریری معاہدہ لکھ کر دیا۔ وہ مسلمان حکمرانوں کے لیے غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ ہے۔ اگر کسی فرمان روا نے اس سے انحراف کیا ہے تو اس کا

ذمہ دار وہ فرمان رواہے نہ کہ اسلام۔ بہر کیف اس معاہدہ میں نجران کے عیسائیوں کو بالکل معمولی جزیہ (سالانہ دو ہزار یمنی حلے وہ بھی دو قسطوں میں) کے عوض جان ومال کے تحفظ کی تحریری یقین دہانی اور دیگر ضروری حقوق کے ساتھ مذہبی آزادی کی ضمانت درج ذیل الفاظ میں دی گئی۔وان لا یغیروا مما کانوا علیه ولا یغیر حق من حقوقهم ولا ملتهم ولا یغیر اسقف من اسقفیته ولا راهب من رهبانیته الخ

اس وقت ان کی جو حیثیت ہے وہ برقرار رکھی جائے گی۔ نہ ان کے کسی حق میں تغیر کیا جائے گا اور نہ ان کے مذہب میں دخل اندازی کی جائے گی۔ (مورخ بلاذری نے یہاں مزید واضح الفاظ لکھتے ہیں:وان لا یفتنوا عن دینھم۔ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا) نہ ان کے کسی پادری کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا اور نہ کسی راہب سے اس کی رہبانیت کے معاملے میں تعرض کیا جائے گا۔

امام بیہقی نے معاہدہ نجران کی جو تفصیل بیان کی ہے۔ اس میں مذہبی آزادی کے حوالے سے یہ نجات بھی شامل تھیں کہ

ان لا تهدم لهم بيعة ولا يخرج لهم قس ولا يفتنون عن دينهم ما لم يحدثو احدثا او يأكلوا الربا

انکا کوئی گرجا نہیں گرایا جائے گا نہ ان کے کسی عالم ومذہبی پیشوا کو نکالا جائے گا اور نہ انہیں انکے دین سے برگشتہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے معاہدہ ٹوٹ جائے یا وہ سود کھانا شروع کر دیں۔ نجران کے وفد کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دینے کی درج بالا روایت کے تحت ابن قیم نے یہ استنباط کیا ہے کہ:فيه جواز دخول اهل الكتاب "مساجد المسلمين وتمكين اهل الكتاب من صلاتهم بحضرة المسلمين وفي مساجدهم ايضاً اذاكان عارضاً ولا يمكنون من اعتياد ذالک"

اس واقعہ میں اہل کتاب کے مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہونے کا جواز پایا جاتا ہے علاوہ ازیں مسلمانوں کی موجودگی میں ان کی مساجد کے اندر اہل کتاب کا اپنی نماز پڑھنا بھی جائز ہے جبکہ یہ چیز عارضی اور وقتی طور پر ہو۔ البتہ انہیں اس چیز کو عادت بنالینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اہل یمن کے لیے مذہبی آزادی کا پروانہ

مشہور صحابی حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں

"كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اهل اليمن انه من كان على يهودية اونصرانية فأنه لا يفتن عنها وعليه الجزية"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو لکھا کہ بے شک جو آدمی یہودیت یا نصرانیت پر حسب سابق قائم رہنا چاہتا ہے تو وہ بے شک اپنے دین پر قائم رہے۔ اسے اپنے دین کے معاملے آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ البتہ اسے جزیہ ادا کرنا ہوگا۔

مینٹ کیتھرائن کے راہبوں کے لیے مذہبی آزادی کی سند

مشہور مؤرخ سید امیر علی نے کسی متعین حوالہ وماخذ کے بغیر صرف مؤرخین اسلام (Annal sts of Islam) کے حوالے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عیسائی راہبوں سے کیے گئے ایک معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ جو اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی اور دیگر حقوق کے لیے ایک مثالی حیثیت کا حامل ہے. چنانچہ سید موصوف نے اپنی مشہور کتاب "The Spirit Islam" کے چھٹے باب کے شروع میں مضافات مدینہ میں بنی فزارہ کی ڈاکہ زنی کے واقعہ کے بعد لکھا ہے: اس زمانہ کے لگ بھگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی کے قریب واقع راہب خانہ سینٹ کیتھرائی (St. Catherine) کے راہبوں کو ، بلکہ سارے عیسائیوں کو ایک سندنامہ حقوق (Charter) عطا فرمایا۔ جس کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ دنیا کی تاریخ روشن خیالی اور رواداری کی جو اشرف ترین یادگاریں پیش کر سکتی ہے، یہ انسب میں سے ایک ہے۔ یہ دستاویز جسے مؤرخین اسلام نے حرف بحرف قلمبند کیا، وسعت نظر اور آزادی خیال کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس دستاویز کی رو سے عیسائیوں کو چند ایسی استثنائی مراعات حاصل ہوئیں جو انہیں اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے تحت بھی نصیب نہ ہوئی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ اس دستاویز میں جو احکام مندرج ہیں اگر کوئی مسلمان ان کی خلاف ورزی کرے گا یا ان سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا تو اسے معاہدہ الٰہی سے روگردانی کرنے والا، اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اور اس کے دین کی تذلیل کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کی حفاظت، ان کے گرجاؤں اور ان کے پادریوں کے مکانوں کی پاسبانی اور انہیں ہر طرح کے گزند سے بچانے کی ذمہ داری اپنی ذات پر بھی اور اپنے متبعین پر بھی عائد کی۔ عیسائیوں سے یہ وعدہ کیا گیا کہ ان پر کوئی ناجائز ٹیکس نہ لگائے جائیں گے۔ ان کا کوئی پادری اپنے علاقہ سے نہ نکالا جائے گا۔ کسی عیسائی کو اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کسی راہب کو اس کے راہب خانے سے خارج نہ کیا جائے گا اور کسی زائر کو سفر زیارت سے نہ روکا جائے گا۔ ان کو اس بات کی بھی ضمانت دی گئی کہ مسجدیں یا مسلمانوں کے رہنے کے مکان بنانے کے لیے کوئی گرجا مسمار نہ کیا جائے گا۔ جن عیسائی عورتوں نے مسلمانوں سے شادی کر رکھی تھی، انہیں یقین دلایا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کی مجاز ہوں گی اور اس بارے میں ان پر کوئی جبر واکراہ نہ کیا جائے گا۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمت کے لیے یا اپنے مذہب کے کسی اور امر کے بارے میں امداد کی ضرورت ہو گی تو مسلمان انہیں امداد دیں گے۔ اس امداد کو ان کے مذہب میں شریک ہونے سے تعبیر نہ کیا جائے گا بلکہ اسے حاجت مندوں کی حاجت براری اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کی اطاعت سمجھا جائے گا جو عیسائیوں کے حق میں صادر کیے گئے تھے۔ اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسرجنگ ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود کے اندر رہنے والے کسی عیسائی سے اس کے مذہب کی بنا پر حقارت کا برتاؤ نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا مرتکب ہو گا۔ اس سند نامہ میں عیسائیوں کو جتنی مذہبی آزادی اور جتنے حقوق دیے گئے ہیں اور جس رواداری اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ بلا مبالغہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔[7]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر یہ اصول عملی طور پر واضح کیا کہ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ وہ ریاست کے قوانین اور معاہدے کی

پابندی کرے۔ میثاقِ مدینہ اور دیگر معاہدات میں غیر مسلموں کو جان و مال کا تحفظ، عبادت کی آزادی، اور مذہبی پیشواؤں کے احترام کی ضمانت دی گئی۔

اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اسلامی نظام میں رواداری، بقائے باہمی اور مذہبی آزادی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اور کسی بھی فرد یا گروہ کو زبردستی اپنے مذہب سے ہٹانے کی اجازت نہیں۔ یہ معاہدات اس بات کی عملی مثال ہیں کہ ایک اسلامی ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ عدل، احترام اور انصاف کا رویہ اختیار کرتی ہے۔

مذہبی آزادی کا حق

اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے۔ دعوت حق اور جبر و اکراہ بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام کے پیغام حق کے ابلاغ کا قرآنِ حکیم نے یوں بیان کیا:

ادْعُ إِلى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ[8]

"(اے رسول معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو بے شک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے" اسلام نے ایسے طریق دعوت سے منع کیا جس سے کسی فریق کی مذہبی آزادی متاثر ہوتی ہو، دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: لا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[9] دین میں کوئی زبردستی نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔ "شریعت کی یہ حکمت عملی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہل نجران کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا:

"ولنجران وحاشيتهم جوار الله و ذمة محمد النبى رسول الله على انفسهم وملتهم و ارضهم و اموالهم و غائبهم و شاهدهم و بيعهم و صلواتهم لا يغيروا اسقفاعن اسقفيته ولا راهبا عن رهبانية ولا واقفا عن وقفانيته وكل ما تحت ايديهم من قليل اوكثير"

نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، انکی عبادت گاہوں اور ان کے گرجاگھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔

مختلف ادوار میں گرجاگھر اور کلیسے اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنی گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی انجام دہی کے لیے سہولیات فراہم کی

ہیں۔ اقلیتوں کے شخصی معاملات بھی ان کی شریعت (personal law) کے مطابق طے کیے جائیں گے، اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جن افعال کی حرمت انکے مذہب میں بھی ثابت ہے ان سے تو وہ ہر حال میں منع کیے جائیں گے، البتہ جو افعال ان کے ہاں جائز اور اسلام میں ممنوع ہیں انہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ کر سکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں حکومت اسلامیہ کو اختیار ہو گا کہ انہیں آزادی دے یا نہ دے:

"ولا يمنعون من اظهار شيء مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير والصليب وضرب الناقوس فی قرية او موضع ليس من امصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من أهل الاسلام وانما يكره ذلك في امصار المسلمين و هی التی يقام فيها الجمع والاعيادو الحدود، و اما اظهار فسق يعتقدون حرمته كالزنا و سائرالفواحش التي هي حرام في دينهم فانهم يمنعون من ذلك سواء كانوا في امصار المسلمين او في امصارهم"

"جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ و عیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا جائیگا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔" یعنی اقلیتیں اپنی قدیم عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے تمام مذہبی امور بجالا سکتے ہیں، حکومت اسلامیہ اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے۔

تاہم اس ذیل میں اقلیتوں کو مسلمانوں کے شعائر مذہبی کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔ ابن عباس نے کا فرمان ہے کہ:"أيما مصر مصرته العرب فليس للعجم ان يبنوا فيه بناء بيعة ولايضربوا فيه ناقوسا ولا يشربوا فيه خمراً ولا يتخذوا فيه خنزيراًأيما مصر كنت العجم مصرته يفتحه الله على العرب فنزلوا على حكمهم فللعجم ما فی عهدهم وللعجم على العرب ان يوفوا بعهدهم"

جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئی عبادت گاہیں اور کنائس تعمیر کریں، یا ناقوس بجائیں، شرابیں پیئیں اور سور پالیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کیے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ نے عربوں (یعنی مسلمانوں) کے ہاتھ پر فتح یاب کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم پر اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لیے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور عرب پر ان کا ادا کرنا لازم ہے[10]۔

سماجی تعلقات

غیر مسلم کو دعا دینا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تہیں حسین و جمیل رکھے۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے۔

اہل کتاب کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پیش کیا۔ آپ نے اسے دعاء دی کہ اللہ اسے حسین وجمیل بنا دے۔ چنانچہ اسکے بال سیاہ ہو گئے۔وہ نوے برس کے قریب زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہیں آئی۔

چھینک کی دعا کا جواب

کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ کہے تو حکم ہے کہ سننے والا یرحمک اللہ کہے۔اس کا مطلب ہے اللہ تعالی تم پر رحمت نازل کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہود آپ کی مجلس میں زبر دستی چھینکتے تھے تاکہ زبان مبارک سے ان کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ ادا ہوں۔ آپ یرحم اللہ کے الفاظ تو ان کے لئے تو استعمال نہیں فرماتے تھے البتہ یہ "يَهْدِكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ" کہا کرتے اس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کو اس کے مناسب حال دعا دی جاسکتی ہے۔

یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کو فطری تقاضا ہے

غیر مسلم کا اکرام

حسن سلوک کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں اخلاقی رویہ سے بھی ہے، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت میں ، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت واحترام کا مقام دیا جائے۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی پہنچا تو انھوں نے اس کی۔

تعظیم و توقیر کی حاضرین میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر آٹھ کا حوالہ دیا مطلب یہ کہ قرآن مجید نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیاہے۔یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔

غیر مسلم کو مہمان رکھنا

حضرت اسماء کی مشرک والدہ مکہ سے مدینہ ان کے گھر آئیں، کچھ تحفے بھی لائیں ان سے انہیں توقعات بھی تھیں حضرت اسماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انھیں اپنے گھر ٹھہرایا اور ان کی خدمت کی۔

غیر مسلم کی عیادت

سماجی تقاضوں میں ایک اہم تقاضایہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے اور اس سے محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔اسلام نے مریض کی عیادت کی ترغیب دی ہے اور اسے بہت بڑا کار ثواب بتایا ہے کیا احادیث سے غیر مسلم کی عیادت کا بھی ثبوت ملتا ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کی ہے۔

حضرت انس سے روایت روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔اس کے سرہانے بیٹھے۔اس سے کہا کہ تم

اسلام لے آؤ۔اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔اس نے کہا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو۔چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچا لیا ہے۔اس روایت سے مشرکین اور یہود کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے۔اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔آدمی جسے حق سمجھے گا اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔فقہاء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے اس میں از روئے شرع کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔حضرت عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کوئی غیر مسلم بیمار ہوجائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔

"أن كانت قرابة قريبة بين مسلم و كافر فليعد المسلم والكافر"

اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہیے۔

غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

حضرت سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں تھے۔ایک جنازہ گزرا تو وہ کھڑے ہوگئے۔ان سے کہا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔انھوں نے جواب دیا۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔آپ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے۔عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا۔آپؐ نے فرمایا۔کیا وہ نفس (جان) نہیں ہے ؟ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فقرا موت سے ایک گھراہٹ ہوتی ہے (اسکا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں ہے)[11]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات کی بنیاد اخلاق، رواداری اور انسانی احترام پر رکھی گئی ہے۔احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو دعا دینا، اس کی عیادت کرنا، مہمان نوازی کرنا اور اس کے جنازے کا احترام کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

یہ تعلیمات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام صرف مسلمانوں تک محدود حسنِ سلوک کا درس نہیں دیتا بلکہ انسانیت کے عمومی حقوق کو بھی اہمیت دیتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی طرزِ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی انصاف، ہمدردی اور حسنِ اخلاق کا برتاؤ کیا جائے۔

اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں پرامن بقائے باہمی، سماجی ہم آہنگی اور باہمی احترام کو فروغ دیا جاتا ہے، اور غیر مسلم بھی اس معاشرتی دائرے میں عزت و تکریم کے مستحق ہیں جب تک وہ امن و قانون کی پاسداری کریں۔

اس سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلموں کے سیاسی و مذہبی حقوق محض نظریاتی دعوے نہیں بلکہ عملی ریاستی نظام کا حصہ تھے۔مدینہ کی ریاست ایک کثیر المذاہب اور کثیر الثقافتی معاشرہ تھی، جہاں مختلف قبائل اور مذاہب کے افراد آباد تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس متنوع معاشرتی ڈھانچے کو تصادم کی بجائے معاہدہ، شراکت اور قانون کی بنیاد پر منظم کیا۔

میثاقِ مدینہ کو اسلامی ریاست کا پہلا تحریری دستور قرار دیا جا سکتا ہے، جس نے غیر مسلم قبائل کو سیاسی وحدت کا حصہ بنایا اور ان کے مذہبی تشخص کو تسلیم کیا۔اس کے بعد نجران، اہلِ یمن اور دیگر گروہوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں مذہبی آزادی، جان و مال کا تحفظ، اور شخصی قوانین پر عمل کی اجازت ایک مستقل پالیسی تھی، نہ کہ وقتی مصلحت۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اصول، خصوصاً "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ"، اور نبوی ہدایات، ریاستی پالیسی کی بنیاد تھے۔غیر مسلم شہریوں سے جزیہ کا نظام دراصل ان کی شہری ذمہ داری کا ایک پہلو تھا جس کے بدلے انہیں مکمل قانونی تحفظ حاصل تھا۔

نتیجتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ و سلم ایک ایسے سیاسی ماڈل کی نمائندگی کرتی ہے جو مذہبی تنوع کے باوجود عدل، رواداری اور آئینی تحفظ پر قائم تھا۔

خلفاء راشدین کے دور میں اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری

خلافت راشدہ تاریخ اسلام کا ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا روشن اور مثالی دور ہے، خلفاء راشدین رسول اللہ کے تربیت یافتہ صحابہ تھے، یہ آپ کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ جس طرح آپ نے ذمیوں کے حقوق کا تحفظ کیا بالکل اسی طرح خلفاء راشدین نے بھی ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھا اور انکو ہر طرح کی آزادی فراہم کی۔خلفاء راشدین نے غیر مسلم اقوام سے بہترین تعلقات استوار کر کے ملت اسلامیہ کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔خلافت راشدہ کا دور بلاشبہ تاریخ اسلام کا سنہری دور تھا۔اس میں غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک کیا گیا، ان کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کی گئی۔خلفاء راشدین نے ذمیوں کے ساتھ معاشی، معاشرتی، سیاسی اور عادلانہ تعلقات قائم کرکے حسن سلوک اور رواداری کی جو مثالیں قائم کی ہیں، ذیل میں ان کی چند نظائر پیش کی جاتی ہیں۔

عہد صدیقی

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق نے جب شام کی طرف فوج روانہ کی تو اس کے نام ایک تاریخی فرمان جاری کیا کہ دشمنوں سے تمہارے معاہدے میں جھوٹ یا فریب نہ ہونا چاہئے، ہر معاملے میں ایماندار ہونا تاکہ تمہاری صداقت اور اعلیٰ ظرفی ثابت ہو جائے، اپنے وعدوں اور اپنی باتوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔راہبوں اور سنیاسیوں کے سکون میں خلل نہ ڈالو اور ان کے مسکنوں کو مسمار نہ ہونے دو۔معاہدہ نجران جو کہ نجران کے عیسائیوں سے آپ نے اپنے عہد میں کیا۔مذہبی رواداری کی بہت بڑی مثال ہے یہ معاہدہ عہد خلافت راشدہ میں بھی قائم رہا۔جب اہل نجران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کی اطلاع ملی جن میں اس وقت بنی الافعی کے جو بنی الحارث سے قبل وہاں متوطن تھے ان میں چالیس ہزار جنگجو تھے انہوں نے تجدید معاہدہ کے لئے اپنا ایک وفد حضرت ابو بکر کے پاس بھیجا۔یہ وفد حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آیا۔انہوں نے حسب ذیل فرمان ان کو لکھ دیا۔"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ فرمان اللہ کے بندے اور رسول اللہ کے خلیفہ ابو بکر کی طرف سے اہل نجران کے لئے لکھا جاتا ہے،

میں نے ان کو اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان معافی رسول اللہ نے ان سے کیا تھا میں بھی اسے تسلیم کرتا ہوں اور اس کی توثیق کرتا ہوں، سوائے ان باتوں کے جن سے خود رسول اللہ نے اللہ کے ظلم سے ان کے بارے میں رجوع کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کے علاقے میں بلکہ تمام عرب میں دو مذاہب کے پیرو سکونت پذیر نہیں رہ سکتے، اس کے علاوہ ان کے جان، مذہب، املاک، حاشیہ متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا باہر ہوں ان کے پادری، راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کی املاک میں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں بشر طیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا ہوتا رہے اور جب وہ اپنے واجبات پورے کریں تو پھر ان کو خارج البلد کیا جائے نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقےسے بدلا جائے اور نہ کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے۔ جو کچھ اس تحریر میں لکھا ہے اس کے ایفاء کے لئے محمد کی ضمانت اور تمام مسلمانوں کی نگہبانی کی ضمانت دی جاتی ہے اس کے ساتھ اہل نجران کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار رہیں، مسور بن عمرو اور عمرو مولی ابو بکر نے اس تحریر پر اپنی شہادت ثبت کی۔[12]

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں غیر مسلموں کے ساتھ عدل، رواداری اور معاہدات کی پابندی کو خاص اہمیت دی گئی۔ معاہدۂ نجران میں اہلِ نجران کو جان و مال، عبادات اور مذہبی آزادی کا مکمل تحفظ دیا گیا، بشرطیکہ وہ اپنے معاہداتی فرائض ادا کریں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی آزادی کو عملی طور پر محفوظ بنایا گیا۔

عہد فاروقی

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروکاروں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہدناموں کے ذریعے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے۔ سیدنا عمر فاروق نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے اس کی توثیق فرمائی اور اس طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، چنانچہ اہل حیرہ سے جومعاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے۔"لا يهدم لهم بيعته كنيسة ولاتصر من قصورهم التي كانو يتحصنون اذا نزل بهم عدولهم ولا يمنعون من ضرب النواقيس ولا من اخراج الصلبان في عيدهم "

ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کئے جائیں اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہو گی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے۔

خلیفہ دوم کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کاحکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ حیرہ کے ساتھ معاہدہ میں ہزار باشندوں سے ایک ہزار بالکل مستثنٰی تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کئے گئے تھے، معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی

کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا اور بیت المال اس کا کفیل ہو گا۔کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔جان، مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں، وہ سب انہی کے ذیل میں آتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان تینوں بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا۔بیت المقدس کے عیسائیوں کو ازروئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے۔یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے اہل ایلیاء کو دی، یہ امان جان و مال، گرجا،صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے صلیبیوں اور انکے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کونقصان پہنچایا جائے گا۔یہ حقوق صرف ایلیاء والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں۔اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے جان، مال اور مذہب وشریعت سب کو امان ہے، ان میں سے کسی شے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔آذربائیجان کے معاہدہ میں ہے کہ جان، مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔موقان کے معاہدے کے الفاظ بھی یہی ہیں۔حضرت عمر وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔آپ نے حضرت ابو عبیدہ فاتح شام کو لکھا:

"وامنع المسلمين من ظلمهم والإضرار بهمْ وَأكل أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحِلْهَا"

مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کے مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو۔حضرت عمر اپنے سفر شام کے سلسلے میں جب آذرعات پہنچے تو وہاں کے باشندے اپنے مذہبی اور قومی رسوم کے ساتھ ان کے خیر مقدم کو نکلے۔حضرت عمر نے دیکھا تو حضرت ابو عبیدہ نے کہا، امیرالمومنین، یہ تو اہل عجم کا طریقہ ہے، اگر آپ اس چیز سے ان کو روکیں گے تو یہ بدگمان ہوں گے کہ معاہدہ میں آپ نے ان کے لئے جو مذہبی اور تہذیبی آزادی تسلیم کی ہے اس کو واپس لینا چاہتے ہیں۔حضرت عمر نے بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا: اچھا بھائی، اگر یہ بات ہے تو رہنے دو، اس وقت عمر اور آل عمر ابو عبیدہ کے اختیار میں ہیں۔اسی طرح اہل صلح کے متعلق یہ اصول بھی تسلیم شدہ ہے کہ ان کو یا ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔اگرچہ اسلامی حکومت کا یہی طرز عمل بزور شمشیر فتح کئے ہوئے لوگوں کے ساتھ بھی عام طور پر رہا ہے لیکن یہ ان کے اوپر حکومت کا احسان ہے، ان کا کوئی قانونی حق نہیں ہے، لیکن اہل صلح کے بارے میں یہ قانون ہے کہ ان کو نہ قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کو غلام بنایا جاسکتا ہے بلکہ وہ آزاد ہوں گے۔ایمان ابو عبید القاسم نے لکھا ہے:

"السنة رسول ، والسلمين ان لاسماء على أهل الصلح ولارق وانهم احرار "

رسول اللہ اور مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اہل صلح لونڈی غلام نہیں بنائے جاسکتے، وہ آزاد ہیں۔

حضرت عمر نے اہل ثوبہ کے نام ایک امان نامہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں بھی واضح طور پر مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ امان ہے جو حضرت عمرو بن العاص نے اہل مصر کو ان کے نفوس و اموال، گر جاؤں، صلیبوں، مذہب اور بحروبر کے متعلق دی ہے، ان میں نہ کچھ اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی اور نہ النوبہ ان کے ساتھ مل کر رہ سکے گا اور اہل مصر پر لازم ہوگا کہ جب وہ اس صلح پر اتفاق کر لیں تو وہ جزیہ ادا کریں، جو ان کی گنجائش کے مطابق زیادہ سے زیادہ پچاس کروڑ ہوگا اور ان پر ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہوگی۔

اور اگر ان میں سے کوئی شخص یہ بات نہ مانے تو ان کے اندازے کے مطابق ان سے ٹیکس اٹھا دیا جائے گا اور جو شخص انکار کرے گا ہم اس کے عہد سے بری ہوں گے اور اگر ان کی گنجائش، ٹیکس کی غایت سے کم رہی تو اس کے اندازے کے مطابق ٹیکس انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اہل ذمہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں بالکل آزاد ہوں گے۔ اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جن شہروں میں ان کے فتح ہونے کے بعد حکومت نے ذمیوں کے قیام کو منظور کرلیا ہے ان شہروں میں ان کے مذہبی حقوق پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ ابو عبیدہ نے بزور شمشیر فتح کئے ہوئے مقامات کی ایک لمبی فہرست کے بعد لکھا ہے۔

یہ سارے مقامات بزور شمشیر فتح ہوئے اور ان میں ان کے باشندوں کو ان کے مذہب و شریعت کی پوری آزادی کے ساتھ بسنے کی اجازت دی گئی۔ اس آزادی پر اگر کوئی پابندی ہے تو صرف ان شہروں میں ہے جن کو خاص طور پر مسلمانوں نے بسایا ہو یا جن کو فتح کرنے کے بعد ان کے سابق باشندوں کے حوالہ کرنے کی بجائے حکومت نے اپنے مقاصد کے لئے خاص کر لیا۔

اسلام میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو جبر واکراہ مسلمان بنانے کا کوئی تصور نہیں، قرآن نے واضح طور پر حکم دیا ہے کہ لا اِکراہ فِي الدِّينِ "مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں"۔ حضرت عمر فاروق کی سیاسی حکمت عملی قرآن کے اس اشارے کی تفسیر ہے۔ عہد فاروقی میں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ان کے مذہب میں قطعاً مداخلت نہیں کی بلکہ اس کے برعکس انہیں مذہبی آزادی کی ضمانت دی، ان کے گرجے، عبادت گاہیں محفوظ رہیں، عیسائیوں کو صلیب کالنے، مذہبی قوانین رائج کئے جانے اور ان کو قوانین شخصی پر عامل رہنے کا پروانہ دیا گیا۔ اسکندریہ کے لاٹ پادری کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک رومی عیسائیوں سے بدر جہاں بہتر تھا۔ یہاں تک کہ عمر فاروق کا ذاتی غلام بھی غیر مسلم تھا۔ خلافت راشدہ میں تمام مذاہب کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ ذمیوں کی عبادات اور رسوم و رواج میں کسی قسم کی مداخلت روا نہیں تھی۔ ان کے معبد اور گرجے محفوظ تھے۔ مسلمانوں نے جس طرح ذمیوں کے ساتھ حسن رواداری کا سلوک کیا۔ اس کی مثال ملنا محال ہے۔

معاشی تعلقات

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت المال باقاعدہ منظم نہیں تھا، لیکن عہدِ فاروقی میں حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تجویز پر بیت المال قائم کیا گیا، جس سے غیر مسلم غرباء کی بھی مدد کی جاتی تھی۔ مفتوحہ علاقوں میں زمینوں پر خراج مقرر کیا جاتا اور جزیہ غیر مسلم بالغ، صحت مند مردوں سے بطور حفاظتی ٹیکس لیا جاتا تھا، جبکہ بچے، بوڑھے، معذور اور محتاج افراد اس سے مستثنیٰ تھے۔
اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو معاشی تحفظ حاصل تھا؛ اگر کوئی فوجی خدمات انجام دیتا تو اس سے جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا، اور قحط یا مالی تنگی کی صورت میں خراج بھی معاف کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ادوار میں معاہدات کے ذریعے غیر مسلموں کے حقوق کی مکمل حفاظت کی جاتی تھی، اور انہیں معاشی طور پر محروم نہیں رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصولی نہ ہو اور ضرورت مند غیر مسلموں کی کفالت بیت المال سے کی جائے، جس سے اسلامی ریاست کے عدل، مساوات اور فلاحی نظام کا اظہار ہوتا ہے۔

فاروق اعظمؓ کے عدل کی مثال: قبطی رعایا کے حقوق کی حفاظت

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص سے گورنر مصر کے صاحبزادے نے ایک مصری (قبطی) کو کسی بات پر چند کوڑے مار دیے۔ اس نے دربار فاروقی میں جاکر شکایت کی۔ فاروق اعظم نے حضرت عمرو بن العاص اور ان کے صاحب زادے کو دارالخلافہ میں طلب کیا اور قبطی مصری سے اس کی موجودگی میں بات چیت کی اور جب جرم ثابت ہو گیا تو فاروق اعظم نے قبطی مصری کو حکم دیا کہ تو عمر کے بیٹے کے اس قدر کوڑے لگا اور پھر حضرت عمرو بن العاص کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا: اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا، حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا: امیر المومنین مجھے اس واقعہ کا علم ہونہ ہوسکا اور نہ اس شخص نے میرے پاس آکر اس کی اطلاع کی۔
حضرت عمر کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے میرے امیر المومنین ! میں نے کاشت کی تھی اتفاقاً اس کی جانب سے شام کا لشکر گزرا اور اس نے تمام کھیتی کو خراب کر ڈالا۔ حضرت عمر نے یہ سن کر بیت المال سے دس ہزار درہم معاوضہ کے طور پر ادا کر دیئے۔

غیر مسلم شہریوں کے ساتھ ملکی مفاد میں بہتر تعلقات کے لئے معاہدہ

دورِ فاروقی میں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ بہتر تعلقات اور ملکی مفاد کے لیے باہمی رضامندی سے معاہدات کیے گئے۔ قاضی ابو یوسف کے مطابق، اگر کوئی جماعت جزیہ ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اسلامی حکومت اسلام کے اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے متبادل مالی نظام اختیار کر سکتی ہے، اور اگر کسی غیر مسلم گروہ کی سیاسی یا عسکری اہمیت ہو تو ان کی تالیفِ قلب کے لیے رعایتیں دی جا سکتی ہیں تاکہ وہ مطمئن رہیں اور دشمن کو فائدہ نہ پہنچے۔

اسی اصول کے تحت بعض مواقع پر جزیہ کے بجائے دیگر مالی ذمہ داریاں مقرر کی گئیں، جیسے بنی تغلب کے معاملے میں جزیہ کی جگہ صدقہ عائد کیا گیا، تاکہ ان کی ناراضی سے ریاستی مفاد متاثر نہ ہو۔اسی طرح حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کے ساتھ نہایت جامع اور فیاضانہ معاہدہ کیا، جس میں ان کے جان و مال اور مذہبی آزادی کا تحفظ یقینی بنایا گیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق معاہدوں کی پابندی ایک اہم اخلاقی اور شرعی فریضہ ہے، جس کا خلفائے راشدین نے ہر حال میں لحاظ رکھا اور غیر مسلم رعایا کے حقوق کا مکمل تحفظ کیا۔

اہل آرمینیہ کا معاہدہ

امیر مؤمنین حضرت عمر بن الخطاب کے حاکم سرقہ بن عمرو، شہر براز اور باشندگان آرمینیہ کو پناہ دیتے تھے۔ان کے جان و مال اور مہذب و ملت کی حفاظت کی جاتی ہے۔انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاتا، یہ معاہدہ کیا گیا کہ لوگ جنگ میں شریک ہوں گے اور اہم اور غیر اہم مہم کے موقع پر (مسلمان)حاکم کی جیسا کہ مناسب سمجھیں جنگی مدد دیں گے اور جو لوگ جنگ میں شریک ہوں گے ان پر سے جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔یہ جنگی خدمات ان کے جزیہ کا معاوضہ ہیں اور جو یہ خدمات انجام نہیں دیں گا اورگھر پر بیٹھا رہے گا وہ اہل آذر بائیجان کی طرح جزیہ ادا کرے گا اور مسلمانوں کو راستہ بتائے گا اور پورے دن کی مہمان نوازی کرے گا۔اگر یہ لوگ جنگ میں شریک ہوئے تو ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا اور اگر نہ ہوئے تو ان پر جزیہ عائد ہو گا۔

عہد فاروقی میں بھی غیر مسلم شہریوں کے تحفظ اور حقوق کے ساتھ ساتھ نفس انسانی کے احترام اور وقار میں اس قدر اضافہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم شہری اسلامی ریاست میں اپنے آپ کو زیادہ محفوظ اور آزاد سمجھتے تھے۔

اس کا اعتراف مشہور مستشرق (orientalist) منٹگری واٹ(Montgomery Watt) نے بھی کیا ہے:

"The Christians were probably better off as dhimmis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greeks".

عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے دور اقتدار میں بطور غیر مسلم شہری اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔[13]

مذہبی آزادی اور اہل کتاب کے حقوق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کتاب اپنی مذہبی عبادات کے سلسلے میں اپنے دینی شعائر پوری آزادی سے ادا کرتے تھے۔وہ اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں گھنٹیاں بھی بجاتے تھے۔انھیں کوئی منع نہیں کرتا تھا کیونکہ شریعت اسلامیہ نے اُنھیں مذہبی آزادی کا مکمل تحفظ عطا کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی معاشرے میں مذہبی آزادی کا قانون نافذ کرنے کے آرزو مند نظر آتے تھے۔انھوں نے یہود اور عیسائیوں کے بارے میں اپنی حکمت عملی مختصر طور پر اس طرح بیان فرمائی: ہم نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم ان کے گرجاگھروں کو برباد نہیں کریں گے۔وہ اپنی مرضی کے مطابق وہاں عبادت کر سکتے ہیں۔ہم ان پر طاقت و ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالیں گے۔اگر ان کا کوئی دشمن ان پر حملہ آور ہو گا تو ان کا دفاع کریں گے۔ہم ان کے معاملات کے بارے میں اُن کے عدالتی احکام کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ہاں اگر وہ کوئی فیصلہ ہم سے کرانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

معاہدہ اہل مصر

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔انھوں نےاہل مصر سے ایک معاہدہ کیا۔اس کی عبارت یہ تھی: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔یہ وہ امان نامہ ہے جس میں عمرو بن عاص نے اہل مصر کو ان کی جانوں، دین، اموال، گرجا گھروں، صلیبوں اور ان کے بروبحر پر امان دی ہے۔اور تاکیدا یہ بھی لکھا کہ یہ امان نامہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفۃ المسلمین اور عمومی طور پر تمام اہل اسلام کی ذمہ داری کے ساتھ ہے۔

یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سید نا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔اگر اہل ذمہ کسی وقت ادائے جزیہ سے عاجز آجاتے تو وہ ان سے جزیہ معاف فرما دیا کرتے تھے۔

ادائے جزیہ میں رعایت اور معاف کرنا

ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک بستی سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں ایک بوڑھانابینا آدمی بھیک مانگ رہا ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اس کا کندھا پکڑا اور پوچھا: تو کون سے اہل کتاب سے ہے؟ اس نے جواب دیا: میں یہودی ہوں۔آپ نے دریافت کیا: تو بھیک کیوں مانگ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: عمر رسیدہ بھی ہوں اور جزیہ بھی ادا کرتا ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے ساتھ لے کر چل دیے۔اپنے گھر سے اسے کچھ عنایت فرمایا، پھر بیت المال کے خازن کو پیغام ارسال فرمایاکہ ایسے لوگوں کی فہرست تیار کرو۔اللہ کی قسم! ہم نے ان سے انصاف نہیں کیا۔ان کی جوانی تو ہم نے کھالی اور بڑھاپا رُسوا کر دیا۔آپ نے ایسے کمزور اور نادار افراد سے جزیہ ختم کر دیا۔پھر یہی حکم نامہ تمام عمال کی طرف بھجیج دیا۔

اس قسم کے اقدامات دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انتہائی کوشش فرماتے تھے کہ ان کی ریاست عدالت اور رعایا سے حسن سلوک پر قائم رہے، چاہے کوئی غیر مسلم ہی ہو،اس سے بھی کامل انصاف اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔خلفائے راشدین کے دور خلافت میں مذہبی آزادی بڑی نمایاں خصوصیت اختیار کر چکی تھی جسے ریاست اسلامیہ کی طرف سے مکمل ضمانت اور ربانی احکام کے تحت مکمل حفاظت میسر تھی[14]۔

یہ واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدل، رحم دلی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے اصولوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں کمزور اور معذور افراد کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور ان پر مالی بوجھ ڈالنے کے بجائے ان کی مدد کی جاتی تھی۔ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ بھی انصاف اور حسنِ سلوک کو یقینی بنایا جاتا تھا، جس سے اسلامی نظام کی رواداری، انسانی ہمدردی اور فلاحی مزاج نمایاں ہوتا ہے۔

سیدنا عمرؓ کی رعایا کے لیے عادلانہ جزیہ نظام

نہرین کا ایک کسان رقیل مسلمان ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جزیہ معاف فرما دیا۔ اور اس کے لیے سالانہ 2 ہزار درہم والے لوگوں میں ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ جس سال کوئی فرد مسلمان ہو جائے، اس سال اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، چاہے وہ سال کے شروع میں اسلام لایا ہو یا درمیان میں یا آخر میں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر جزیہ وصول کرنے والا عامل کسی سے جزیہ لے لے اور بعد میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے لیا ہوا جزیہ اسے واپس کر دیا جائے۔ مزید براں کسی کے فقیر ہوجانے پر بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ جب کوئی زمی مالدار ہونے کے بعد فقیر ہو گیا اور ادائے جزیہ پر قادر نہ رہا تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ جزیہ اس وقت بھی ساقط ہو جاتا ہے جب اسلامی مملکت ذمیوں کی حفاظت پر قادر نہ رہے۔ کیونکہ جزیہ ان غیر مسلم لوگوں پر عائد ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکس مملکت میں عمومی خدمات سے انتفاع، اسلامی مملکت کی طرف سے تحفظ کے حصول اور مملکت اور اہل مملکت کے دفاع میں عدم شرکت کی بنا پر واجب الادا ہوتا ہے[15]۔

ذمی کو قتل کرنے کی سزا

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو ذمی کے قصاص میں قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ شام میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو قصاص میں قتل کرا دیا[16]۔

اقلیتوں کے حقوق کی مکمل پاسداری

ذمیوں کے حقوق کی پاسداری، ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کا احترام، شرعی نقطہ نظر سے ان کے حقوق کا تحفظ، ان سے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ، ان کی نگہداشت اوران پر ظلم کرنے والوں کا شرعی احکام کے مطابق محاسبہ، یہ سب باتیں علاقائی گورنروں اورحکام کی منصبی ذمہ داریوں میں شامل تھیں۔ خلیفہ وقت حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ذمیوں سے مصالحت کرنے سے پہلے ان پر کچھ شرائط عائد کرتا تھا، بعد ازاں طے شدہ شرائط کے مطابق ذمی اپنے واجبات ادا کرتے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے[17]۔

عہدِ فاروقی میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے لیے ایک منظم اور عادلانہ نظام قائم تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عہدِ نبوت میں طے شدہ معاہدات کو برقرار رکھا اور انہیں عملی طور پر مضبوط کیا۔ مفتوحہ علاقوں میں ذمیوں کو جان، مال اور مذہب کی مکمل آزادی دی گئی اور ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی شعائر کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری قرار پایا۔

ان کے ساتھ یہ اصول اپنایا گیا کہ کسی کو اس کے مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے دینی معاملات میں مداخلت کی جائے گی۔ جزیہ کے نظام میں بھی انصاف رکھا گیا، صرف صاحبِ استطاعت افراد سے لیا جاتا جبکہ کمزور، بوڑھے اور نادار افراد کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا اور ان کی کفالت بیت المال سے کی جاتی تھی۔ اگر کوئی ذمی فوجی خدمات انجام دیتا تو اس سے جزیہ بھی معاف کر دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو ہدایت دی کہ ذمیوں کے ساتھ عدل کیا جائے، ان پر ظلم نہ ہو اور معاہدات کی مکمل پابندی کی جائے۔ مختلف علاقوں کے معاہدات اور عملی واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی اور تحفظ حاصل تھا اور عدل و رواداری عملی طور پر نافذ تھی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اہلِ کتاب کو مکمل مذہبی آزادی اور قانونی تحفظ حاصل تھا۔ انہیں اپنی عبادات، عبادت گاہوں اور ذاتی معاملات میں آزادی دی گئی اور ان کے ساتھ کیے گئے معاہدات کی پوری پاسداری کی گئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عدل و رواداری کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے کمزور، بوڑھے اور نادار افراد سے جزیہ معاف کیا اور ذمیوں کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ جزیہ کا نظام بھی سہولت اور انصاف پر مبنی تھا، جس میں حالات کے مطابق رعایت دی جاتی تھی۔

خلافتِ راشدہ کا یہ نظام اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق، مذہبی آزادی اور انصاف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ان کا مکمل تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

عہد عثمانی

سیدنا عمر فاروق کے بعد سیدنا عثمان غنی کے عہد خلافت میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھا گیا اور معاشرتی و سماجی اور ثقافتی تعلقات قائم کئے گئے۔ ایمان ابو عبید اور بلاذری نے غیر مسلموں سے متعلق سیدنا عثمان غنی کے ایک سرکاری فرمان نامہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"إلى أوصيك بهم خيراً فإنهم قومٌ لَهُمُ الذمة"

ترجمہ: میں تمہیں ان غیر مسلم شہریوں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ وہ قوم ہے جنہیں جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی تحفظ کی مکمل امان دی جاچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان غنی کے عہد خلافت میں بھی اسلامی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے خون کی حرمت برابر تھی۔

عہد علوی

سیدنا علی کے عہد خلافت میں بھی غیر مسلم شہریوں سے رواداری کے تعلقات استوار کئے گئے اور انہیں جان و مال اور عزت و آبرو کا مکمل تحفظ حاصل رہا۔ایک روایت کے مطابق حضرت علی نے فرمایا:
"إِذَا قَتَلَ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ قُتِلَ بِهِ".[18]
اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو وہ مسلمان (اُس کے قصاص میں) قتل کیا جائے گا۔

غیر مسلموں کے وظائف:

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے غیر مسلم جو کہ مفلس اور نادار تھے انکے لئے بیت المال سے وظائف مقرر کئے اور بیت المال میں ہدایت کی کہ جب یہ لوگ خوشحال ہوتے ہیں تو ہم ان سے جزیہ لیتے ہیں اور جب یہ لوگ معذور اور بے سہارا ہوتے ہیں تو ہم انہیں کیوں بھول جائیں"[19]۔

خلاصہ

اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد ایسا عادلانہ اور متوازن معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد کو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جان، مال، عزت، مذہب اور معاشرتی وقار کا مکمل تحفظ حاصل ہو۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ نہایت وسیع الظرفی، رواداری اور عدل کا رویہ اختیار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں مختلف مذاہب اور قبائل کے لوگ آباد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو ان کے مذہب، عبادات اور شخصی قوانین پر عمل کرنے کی آزادی دی۔ قرآن مجید کے اصول "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" کے مطابق کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ غیر مسلم شہریوں کے جان و مال، عبادت گاہوں، مذہبی پیشواؤں اور ان کے مذہبی شعائر کے تحفظ کو ریاستی ذمہ داری قرار دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف غیر مسلم گروہوں کے ساتھ جو معاہدات کیے، ان میں ان کے مذہبی اور سماجی حقوق کو واضح طور پر محفوظ کیا گیا۔ غیر مسلموں کو اپنے دین پر قائم رہنے، عبادت گاہوں میں عبادت کرنے، اپنے مذہبی قوانین کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنے مذہبی رہنماؤں کو برقرار رکھنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ ان کے گرجوں، خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے یا انہیں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات قائم رکھنا جائز اور مستحسن ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو دعا دی، ان کی عیادت کی، ان کے ساتھ حسنِ سلوک فرمایا، انہیں مہمان بنایا اور ان کے جنازوں کا احترام کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام صرف مذہبی آزادی ہی نہیں دیتا بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ انسانی ہمدردی، رواداری اور احترام کا بھی حکم دیتا ہے۔

خلافتِ راشدہ میں بھی انہی اصولوں کو پوری طرح نافذ کیا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدات کی پابندی کی تاکید فرمائی اور ان کے مذہبی مقامات، راہبوں اور پادریوں کے احترام کا حکم دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو مزید مضبوط بنیاد ملی۔ مفتوحہ علاقوں میں ان کے جان و مال، مذہب، گرجا گھروں اور مذہبی شعائر کی حفاظت کی گئی۔ انہیں اپنے مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دی گئی اور ان پر کسی قسم کا مذہبی جبر نہیں کیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کے نظام کو بھی عدل و انصاف کے مطابق نافذ کیا۔ جزیہ صرف صاحبِ استطاعت غیر مسلم مردوں پر عائد تھا، جبکہ بوڑھے، بیمار، معذور، فقیر اور نادار افراد اس سے مستثنیٰ تھے۔ اگر کوئی غیر مسلم مالی طور پر کمزور ہو جاتا تو اس سے جزیہ معاف کر دیا جاتا اور اس کی کفالت بیت المال سے کی جاتی تھی۔ ایک نابینا بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی فلاح و بہبود بھی حکومت کی ذمہ داری تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عدل و مساوات کی بہترین مثال اس وقت سامنے آئی جب ایک قبطی شخص نے گورنر مصر کے بیٹے کے ظلم کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قبطی کو انصاف دلایا اور فرمایا کہ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو اس کے خلاف قصاص نافذ کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون کی نظر میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے حقوق برابر تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی غیر مسلم شہریوں کے ساتھ حسنِ سلوک، عدل اور مذہبی آزادی کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکام کو ہدایت کی کہ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ بھلائی اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے کیونکہ انہیں ریاست کی طرف سے امان اور تحفظ حاصل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی غیر مسلموں کے خون اور جان کے تحفظ کو اتنی اہمیت دی کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرتا تو اس کے خلاف بھی قصاص نافذ کیا جاتا۔

حوالاجات

[1] النحل 90:16
[2] الشوریٰ 38:42
[3] آل عمران 159:3
[4] نعمانی، شبلی، علامہ، **مقالات شبلی** (مطبوعہ اعظم گڑھ، 1349ھ) ص 201
[5] الانعام 107:6
[6] العنکبوت 46:29
[7] محمد سعد اللہ، ڈاکٹر، حافظ، **اسلامی ریاست اور غیر مسلم شہری** (مطبوعہ عکس پبلیشنز 2018ء) ص 391-401
[8] النحل 124:16

[9] البقرہ2:256

[10] قادری، محمد طاہر ، ڈاکٹر، **اسلام میں اقلیتوں کے حقوق** (مطبوعہ منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور2006ء)ص22-24

[11] عمری، سید جلال الدین ،مولانا **غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق** (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز2007ء)ص 82-86

[12] عہد خلفاء راشدین میں مسلم و غیر مسلم تعلقات، رضوانہ بی بی ایم فل اسکالر منہاج یونیورسٹی لاہور، vol.7 No.1, 2024 https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan

[13] عہد خلفاء راشدین میں مسلم و غیر مسلم تعلقات، رضوانہ بی بی ایم فل اسکالر منہاج یونیورسٹی لاہور، vol.7 No.1, 2024 https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan

[14] صلابی، علی محمد، **سیرت عمر فاروق** ،(مطبوعہ دارالسلام)ص 252-253

[15] صلابی، علی محمد، **سیرت عمر فاروق** ،(مطبوعہ دارالسلام)ص 568،ج2

[16] وایضاص74،ج2

[17] وایضاص 157،ج2

[18] عہد خلفاء راشدین میں مسلم و غیر مسلم تعلقات، رضوانہ بی بی ایم فل اسکالر منہاج یونیورسٹی لاہور، vol.7 No.1, 2024 https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan

[19] قادری، مسعود، **حضرت عمر کے فیصلے** (مطبوعہ اکبر بک سیلرز)ص199